

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُجْتَهِد:

اوصاف و شرائط

ڈاکٹر ظہور احمد انظر شعبہ عربی اور نیشنل کالج لاہور

اجتہاد ہمیشہ کی طرح عہد حاضر میں بھی اسلامی دنیا کا ایک اہم ترین مسئلہ اور لحیپ
ممنوع بحث ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہاد نہ صرف یہ کہ ایک شدید ترین ضرورت
ہے بلکہ مسلمان قوم کی بیداری اور ترقی کا مفید ترین وسیلہ بھی ہے۔ اس کی اہمیت و
افادیت اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم سے بھی عیاں ہے۔ اس کے معنی اور
مفہوم سے ہی ایک ولولہ تازہ کا پیغام اور جوش عمل کی دعوت مترشح ہوتی ہے۔ یہ بات
صبر و استقامت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے اور عزم و ہمت کے ساتھ جہد مسلسل کی
بھی غماز ہے۔

لفت میں اجتہاد کے معنی ہیں کسی کام میں انتہائی کوشش کرتے ہوئے اپنی تمام تر
صلاحیتیں صرف کر دینا۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ مآخذ
شرع کی روشنی میں کسی شرعی مسئلے کا حل معلوم کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس
طرح بروئے کار لانا کہ آگے مزید کوشش کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ان معانی اور اس مفہوم
کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہد یا اجتہاد دو استنباط کا فریضہ انجام دینے والا ایک نہایت اہم اور
مفید کام انجام دیتا ہے اس لیے اُس میں کچھ شرائط اور کچھ اوصاف کا پایا جانا لازمی ہوگا

تاکہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے کما حقہ عمدہ برآ ہو سکے۔

اصل موضوع تک پہنچنے سے قبل بعض تمہیدی امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان امور سے نہ صرف یہ کہ موضوع کی اہمیت عیاں ہوگی بلکہ اسے سمجھنے میں بھی بہت مدد ملے گی۔ ان تمہیدی امور میں سرفہرست وہ غلط فہمیاں ہیں جو ہمارے بعض دانشوروں کی مہربان منت ہیں۔ یہ حضرات دستہ یابا دانستہ طور پر تخلیط و ابہام کا شکار ہیں جس سے ہماری ملت کی فکری زندگی ایک گونا گونی اور الجھاؤ کی کیفیت سے دوچار ہے اور ذہنوں میں شک و بے اطمینانی اور اضطراب و بے چینی کا دور دورہ ہے۔

ان غلط فہمیوں میں سرفہرست یہ غلط فہمی ہے کہ ہمارے یہ پر اگندہ ذہن دانشور لفظ اجتہاد کے مفہوم و معنی کو سچے بغیر اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں، وہ عموماً یہی سمجھتے ہیں کہ اجتہاد کے معنی ہیں کوشش کرنا اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ کس مسئلے پر آزاد رائے دینا اور بس یہیں سے غلطی کا آغاز ہو جاتا ہے اور اس غلط بنیاد پر جو عمارت کھڑی ہوتی ہے وہ بھی ہلال اور غلط فہمیوں بلکہ غلطیوں کا مجموعہ ہوتی ہے، حالانکہ آزاد رائے دینے کا تو اجتہاد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ آپ نے اگر رائے ہی دینا ہے تو دیکھئے مگر اسے اجتہاد کا نام مت دیکھئے۔ اس لیے کہ نصوص شرعیہ یا شریعت کے منابع و مصادر سے آزاد ہو کر کسی مسئلے پر سوچنا اور آزادانہ رائے کی بنیاد پر فیصلہ دینا شرعی اجتہاد کے ضمن میں آتا ہی نہیں۔ شرعی اجتہاد محض رائے زنی کا نام نہیں ہے بلکہ شرعی اجتہاد تو یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم کتاب و سنت میں موجود نہیں تو مآخذ شریعت کی چھان پھٹک کی جائے نظائر و امثال پر غور و فکر کیا جائے اور اس طرح محنت و کوشش صرف کرنے کے بعد جو حل سامنے آئے اسے شرعی اجتہاد کہا جائے گا، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اجتہاد

مقصود محض اپنی رائے سے کوئی آزادانہ فیصلہ کرنا ہے یا انصوص شرعیہ سے ثابت مدہ احکام کو بدلتا یا ان کی من مانی تاویل کرنا اجتہاد ہے تو آپ سخت غلطی پر ہیں۔ یہ روش تحریف و تفصیل اور ہوس پرستی تو کھلا سکتی ہے مگر شرعی اجتہاد کھلانے کی ہرگز مستحق نہیں۔

اجتہاد کے سلسلے میں دوسری غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ شاید اجتہاد جیسی ڈانٹنک تحریک کچھ مدت کے لیے اسلامی زندگی کے منظر سے بالکل غائب ہو گئی تھی یا بعض منکرین نے اسے موقوف و معطل کرنے کی جو رائے دی تھی اسے امت نے قبول کر لیا تھا جس کے بعد اجتہاد و استنباط کا عمل کسی دور میں کسی بھی سطح پر جاری نہ رہ سکا حالانکہ صورت حال یہ نہیں ہے۔ گزشتہ پچودہ صدیوں کے دوران اگرچہ منکرین اجتہاد کا گروہ بھی قائم رہا اور اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کے دعویٰ کا سلسلہ بھی جاری رہا مگر اس کے باوجود ہر دور میں کسی نہ کسی سطح پر اجتہاد و استنباط کا عمل جاری ہی رہا حتیٰ کہ عہد غلامی کی پستیوں اور پسماندگی کے باوجود بھی مسلم علماء نے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق تازہ مسائل کے حل کے لیے شرعی استنباط اور فتاویٰ کا منصب بھی سنبھالے رکھا۔ سائنسی ایجادات نے جب زندگی کی روش بدل دی تو شریعت کے پاسبانوں نے امت کی صحیح رہنمائی کا سامان کرنے کا کام بھی جاری رکھا۔ جب ریل اور ہوائی جہاز میں ادائے نماز کے مسائل پیدا ہوئے تو ظاہر ہے ان ایجادات کی مناسبت سے واضح حکم موجود نہ تھا مگر اشارات و نظائر موجود تھیں۔ سفر میں نماز قصر، میدان جنگ میں صلوٰۃ الخوف اور حج کے موقع پر جمع بین الصلواتین کی نظائر کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کی بنیاد پر فتاویٰ جاری کئے گئے۔ خطبہ و اذان میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کا سوال اٹھا تو عہد نبوت میں لوگوں تک آواز پہنچانے کے لیے مشر و عیت اذان

اور منبر کی ایجاد کی نظیریں کام آئیں اور علماء نے فتویٰ دیا کہ لاؤڈ سپیکر سے چوں کہ مقصود نمازیوں تک آواز پہنچانا ہے تاکہ وہ فرضینہ سلوۃ سہولت کے ساتھ ادا کر سکیں اس لیے اس مقصد کے لیے لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی جائز ہے۔

لیکن جب سود خوری کو حلال قرار دینے اور دیگر مسلمات شرعیہ کو منہدم کرنے کا مذموم حرکت اور مہی نامشکور شروع ہوئی تو ان مسلم علماء نے اس تحریف و ہوس پرستی کو اجہتا و تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نام نہاد روشن خیال اور ترقی پسند دانشور انہیں تنگ نظر اور سخت پسند ہونے کا طعنہ بھی دیتے رہے اور اجتہاد کے دروازے چوٹ کھول دینے کا دعویٰ بھی کرتے رہے مگر اہل علم و تقویٰ نے یہ مذموم سحر یک کامیاب نہ ہونے دی۔

ایک وقت ایسا آیا جب داخلی خلفشار اور فتنہ و فساد نے اسلامی معاشرے کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ اجتہاد و استنباط کے نام پر افتراق اور گروہ بندی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سامراجیوں نے ضعیف و ناتواں، پسماندہ اور غفلت میں ادب گتھے ہوئے مسلمانوں کو دبوچ لیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے گھبرا کر میدانِ عمل سے فرار کی راہ اختیار کر لی تھی۔ وہ ہر شے اور ہر بات کو خوف، شک و اور بچپناہٹ کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے جہاں وہ تجدید و اجتہاد سے محروم و بیزار ہو گئے تھے وہاں وہ مغرب سے آنے والی ہوا کے ہر بھونکنے سے بدک جاتے تھے۔ انگریزی زبان تک پڑھنے کو دین سے برگشتگی کی علامت تصور کرنے لگے تھے۔ منفرد جدید افکار اور تہذیبی اطوار سے بھی گریزاں تھے اور سائنسی علوم اور جدید ایجادات و وسائل سے بھی خوف زدہ تھے اس لیے کہ وہ شکست خوردہ ذہن رکھتے تھے مگر جیسے ہی مریض کو سنبھالا دیا گیا، مصلحین وقت نے امت کو ہوش

میں لاکھ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر لیا چنانچہ خوف اور بھجپاہٹ کی کیفیت بھی ختم ہو گئی۔ سائنسی علوم کو بھی قبول کر لیا گیا اور تجدید و اجتہاد کا راستہ جتنی اہل علم و تقویٰ کے لیے حسب معمول کھلا ہی رہا۔

اسلام کا نہ تو سائنسی علوم سے کوئی تصادم ہے اور نہ وہ انسانی فکر و تہذیب کی ترقی کا مخالف ہے بلکہ اسلام تو جہاں علم و سائنس کی راہوں پر گامزن ہونے کی پُر زور دعوت و تلقین کا علمبردار ہے وہاں اس اندھی اور جامد تقلید کا بھی مخالف ہے جس کا اللہ کے پیغام اور رحمت و دلیل کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہو اور جو انسانوں سے فکر و تدبیر و غور و غوض کی قوتیں سلب کر لینے کی قائل ہو۔ قرآن مجید انفس و آفاق میں فکر و تدبیر کی دعوت دیتا ہے۔ اہل عقل و ادلی الالباب کو جھنجھوڑتا ہے اور فکر بصیرت سے اعراض کرنے والوں سے کہتا ہے: اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ القرآن ام علیٰ قلوب اَفْهَامًا کیا یہ قرآن میں فکر و تدبیر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الْعِلْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اِنَّمَا وَجَدَهَا اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ :

کہ حکمت و دانش تو مومن کی گم گشتہ میراث ہے۔ اسے جہاں ملے گی لے لے گا۔ مگر سب سے پہلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی بات حکمت و دانش ہے بھی یا نہیں یا محض فتنہ و فساد کو حکمت و دانش اور ہر پتھر کو موتی تصور کر لیا گیا ہے، جب یہ بات یقین کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ فلاں بات حکمت اور موتی ہے تو پھر مسلمان اسے قبول کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرے گا۔ اس حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ روم اور یونان کے تہ خانوں میں مقفل و مقید سائنسی علوم کو رہائی دلانے اور محفوظ کر کے ترقی دینے والے مسلمان ہی تھے، اس کے

علاوہ یہ حقیقت بھی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کبھی بھی سائنسی تحقیق کی مخالفت نہیں کی گئی بلکہ عہد نبوت سے لے کر بعد کے تمام ادوار میں سائنسی علوم کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ کسی عہد میں مسلمانوں نے کسی مفکر یا سائنس دان کو محض اس لیے سولی پر نہیں چڑھایا کہ وہ سائنسی ترقی نئے نئے سائنسی تجربات و ایجادات یا نظریات کی تخلیق میں لگا ہوا ہے۔

اسلام نے رہن سہن کے سادہ اور فطری آداب پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی نہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی ایک مخصوص لباس کا پابند بنایا ہے۔ آب و ہوا اور مقامی ضرورت کے مطابق ہر خطے کے مسلمانوں کو اپنا مناسب لباس اپنانے کی اجازت ہے۔ آج بھی بین الاقوامی اسلامی اجتماعات میں لباس کا تنوع و اختلاف اسلام کی اس وسعتِ نظر کا غماز نظر آتا ہے تاہم اسلام اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ محض فیشن پرستی کو روشن خیالی کا نام دے دیا جائے یا ایک مخصوص وضع و قطع اور لباس کو سائنس دان ہونے کی علامت تصور کر لیا جائے اور حقائق دین یا مسکایم اخلاق کی تفحیک و تسخر اڑانے کو سائنس کی معراج سمجھ لیا جائے۔ کوٹ پتلون اور کٹانی کا روشن خیالی یا سائنس سے کوئی تعلق نہیں اس طرح شلوار قمیض یا اسلامی وضع قطع سائنسی ترقی یا تجربات کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ مشرقی لباس یا اسلامی وضع قطع دیکھ کر سائنسی لیبارٹری کرٹ کبھی نہیں مارے گی۔ بات صرف اتنی ہے کہ اگر آپ کائنات کی گہرائیوں میں اتر کر اسرار و حقائق کا انکشاف کرتے ہیں یا سمندرؤں اور پہاڑوں کا سینہ چیر کر انسانیت کی بھلائی اور سربلندی کا سامان کرتے ہیں تو آپ صاحبِ کرامات مردِ مومن ہیں اور سائنس کے میدان میں مجتہد ہیں۔ اس اجتہاد سے نہ اسلام نے آپ کو روکا ہے نہ کوئی آپ کو روک سکیگا۔

اجتہاد کے ضمن میں میسر ہی غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ شاید آزادانہ اجتہاد کی حدود اتنی وسیع ہیں کہ تمام مسلمات شریعت بھی اس کی زد سے باہر نہیں۔ کتاب و سنت کی واضح نصوص قطعہ کی بنیاد پر ثابت شدہ شرعی احکام جو چودہ صدیوں سے تواتر و تسلسل کے ساتھ تمام امت کا متفقہ معمول چلے آتے ہیں مگر آج کی چشم کج نگاہ اور سست ہمت دلوں کو فرسودہ یا مشکل نظر آتے ہیں ان میں ہیر پھیر یا بنیادی تبدیلی کیلئے اجتہادی قوتیں صرف کی جاسکتی ہیں! مثلاً یہ کہ سرایہ پرست و منیت اور سود خور صیونیت نے سوئی نظام معیشت کا جو ہولناک بین الاقوامی جال پھیلارکھا ہے اس میں انجمنی ہوئی دکھی اور مجبور و مقهور انسانیت کو نجات دلانے اور جانے لے بجائے اسے اس میں کراہتے اور تڑپتے رہنے کا فتویٰ دے دیا جائے اور ناموں کے ہیر پھیر سے سود کو حلال قرار دے دیا جائے یا مثلاً نئی تہذیب کے نتیجے میں احتلاط مرد و زن، عربانی، بے راہ روی اور فحاشی کے بن سیلاب بلانے انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اس کا رخ موڑنے اور اسے بے اثر کر کے پاکیزگی و طہارت کا حامل پرسکون معاشرہ تشکیل دینے کی کوشش کے بجائے آزادی نسواں کے خوشنما نام پر کوئی روشن دماغ مجتہد یہ فتویٰ صادر فرمادے کہ بندگان خدا کو اس کی غلاطت و عنفونت کی دلدل میں پھنسا رہنے دو اور سب کو اس کی ہلاکت و تباہی کی نذر ہونے دو یا مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر شعائر اسلامی کو کوئی ایسا رنگ دیا جائے یا کوئی ایسی توجیہ نکالی جائے جس سے نام نہاد روشن زمانے کی ترقی معکوس کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے کی اخلاقی، اقدار، ثقافتی روایات اور معاشرتی آداب کا بھی دیوالہ نکل جائے اور مسلمان بھی لولی لنگڑی مادیت کے ستارے ہوئے انسانوں کا ہمسرہ و ہم رنگ بلکہ ہم پیالہ و ہم نوالہ بن جائے۔

یہ تو بالکل درست اور مستم ہے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کی طرح آج

بھی کھلا ہے۔ گزشتہ پودہ صدیوں کے دوران مخالفت کے باوجود۔ اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ کسی نہ کسی سطح پر اجتہاد مسلسل جاری رہا ہے، کبھی اجتہاد طلاق کے درجے میں۔ کبھی اجتہاد جزئی کی شکل میں اور کبھی اخذ و استنباط کا، بنیاد پر قنوی جاری کرنے کی صورت میں اسلامی اجتہاد کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے! الجہاد ماہن۔ الی یوم القیامۃ کہ جہاد تو قیامت تک جاری رہے گا تو جس طرح قیامت تک مرد مومن کا جہاد جاری ہے اسی طرح امت میں اجتہاد بھی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح جہاد کے لئے کچھ تربیت اور اسلحہ دیکار ہوتا ہے۔ اسی طرح اجتہاد کے لئے بھی بعض شرائط اور آداب ہوتے چاہئیں جن کا جانتا اور ان سے متصف ہونا لازم ٹھہرے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتہاد کا دروازہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کھلا ہے جس سے بروہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو اس کا اہل اور حقدار ہو مگر یہ بات کسی کو زریب نہیں دیتی کہ وہ اس دروازے سے ننگے سر ننگے پاؤں اور میچے پکیلے لباس کے ساتھ ہی گھسا چلا آئے اور اجتہاد کی سعی نامشکور فرمانے لگے۔ وہ اجتہاد کے آداب اور شرائط سے آگاہ ہو یا نہ ہو، اس کا مبلغ علم خواہ کچھ ہی ہو وہ کلمہ طیبہ اور بسملہ کا بھی صحیح تلفظ اور املا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ شریعت کے مآخذ سے آزادانہ استفادہ کرنے کے قابل ہو یا نہ ہو لیکن آزادانہ اجتہاد کرنے کے لئے ضروری تیار ہو! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مآخذ شرع کی روشنی میں اجتہاد کرنے والا مطلوب نہیں بلکہ نیا اسلام گھرنے والا آزاد خیال مجتہد مطلوب ہے۔ دوسرے لفظوں میں شریعت پر عمل کی راہ ہموار کرنے والا مجتہد درکار نہیں بلکہ اس کے بجائے اسلام کو بدلنے والے ملحد کی تلاش ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا عصر حاضر کے ملحد کی تحمل نہیں ہو سکتی اسے تو مجتہد کا ضرورت ہو سکتا ہے، اگر اس مجتہد کو اسلامی تہذیب کی صلاحیت برتری

اور حقانیت ثابت کر سکے جو مسلمانوں کی ذہنیت بدل کر رکھ دے سوچ کے دھارے بدل دے ، اسلام کی کامیابی کی راہیں روشن کر دے اور اسلام کو بدلنے کے بجائے مسلمانوں کو بدلے۔ یہ امت ایک مجتہد سے زیادہ ایک مجدد کی محتاج ہے جو قلبِ مومن کو ایمان و ایقان میں پختہ تر کر سکے۔ ہماری اصل مشکل اجتہاد نہیں تجدید ہے۔ رہا اجتہاد و استنباط تو وہ تو امت میں کبھی بند نہیں ہوا۔ مجتہد سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہو سکتا جو کتاب و سنت کی روشنی میں امت کو درپیش نئے مسائل کا حل پیش کرتے رہے ہیں۔ لیکن آزادانہ اجتہاد سے کتاب و سنت کے احکام کو بدلنے یا خریف کرنے والے کی گنجائش نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے امتِ مسلمہ سے باہر کی دنیا وسیع ہے وہاں اپنی جولانیاں دکھا سکتے ہیں۔ اسلام میں تو اس تحریف و تبلیس کو نہ کبھی برداشت کیا گیا ہے اور نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا شرعیہ سے آزاد ہو کر محض ذاتی رائے سے حلال کو حرام، حرام کو حلال یا خوب و ناخوب کا فتویٰ دینا جس پرستی اور اسلام دشمنی تو ہو سکتی ہے اسلامی اجتہاد و ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ہو سکتا ہے مجھے بھی رجعت پسندی یا متشددانہ موقف رکھنے والے کے القاب سے نوازا جانے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جو کچھ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا یا جو کچھ زبانِ رسالت سے ادا ہوا اس کی حکمت و اہمیت کو چشموں کو سمجھ آئے یا نہ آئے، آج نہیں تو کل مزدوران کی عقل کے تالے کھل جائیں گے اور وہ احکامِ قرآن کو اجتہاد سے بدلنے پر نادم اور شرمندہ ہوں گے۔ جب ان پر حقیقت منکشف ہوگی تو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ صرف ایک مثال پیش کر کے آگے بڑھنے کی اجازت چاہوں گا۔ قرآن کریم نے سود خوری کو استحصال و استغلال کی بدترین صورت اور لعنت و نحو سب کی بیچ ترین

علامت کے طور پر بڑی شدت کے ساتھ حرام قرار دیا مگر مصیبت و زور پرستی کے پھیلانے ہوئے جال کا معاشی نظام جب ساری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے چکا۔ تو آزادانہ اجتہاد کے داعی و انشور سود کو مختلف ناموں اور تاویلوں سے حلال قرار دینے پر تئل گئے مگر جب کارل مارکس اور اس کی معنوی اولاد نے بھی سود خوری کو انسانی معاشرے کی پیشانی کا بدنامہ داغ قرار دے دیا تو وہ کیونرم کے اس تصور پر عرش عرش کر اٹھے حالانکہ اللہ کی کتاب نے سود کو حرام، خدا کی لعنت اور شیطانی نشہ قرار دیا تو اسے دقیانوسی خیال تصور کرتے ہوئے آزادانہ اجتہاد سے بدلنے کے لئے بے قرار تھے۔ اس لئے میری گزارش اتنی ہے کہ باقی احکام قرآنی و نبوی کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے اور آزادانہ اجتہاد سے انہیں بدلنے والوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

اس سلسلے کی چوتھی غلط فہمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ شاید اسلامی معاشرے کا ہر فرد بلا قید و تخصیص ہر ایک معاملے میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلی تین غلط فہمیوں کے ازالے کے سلسلے میں جو گزارشات پیش کی جا چکی ہیں وہ کافی ہیں لہذا منہی طور پر اس آخری اور چوتھی غلط فہمی کے ازالے کے سلسلے میں بھی کچھ اشارات ضروری ہیں۔ تاہم اس مقالے کا بنیادی مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ فقہ اسلامی کے نازک ترین بلکہ شکل ترین میدان اجتہاد میں داخل ہونے کے لئے کچھ اوصاف و آداب اور کچھ شرائط موجود ہیں۔ ہر فرد امت کے لئے اس میدان میں قدم رکھنا نہ تو آسان ہے اور نہ یہ ممکن و ضروری ہے کیوں کہ قرآن مجید جس طرح اسلامی معاشرے میں اصلاح و تبلیغ کے لئے ایک جماعت کی تیاری کا حکم دیتا ہے اسی طرح تقیۃ فی الدین کے لئے بھی ایک گروہ کی تیاری کا فرمان موجود ہے: فلو لا نفر

من كل فرقة منهم طائفة ليشفقهموا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔ یعنی اگر ایسے ہوتا کہ ہر معاشرہ اہل اسلام میں سے ایک گروہ ایسا ہوتا جو تفقہ فی الدین کی صلاحیت پیدا کرتا اور پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتا تاکہ وہ احتیاط سے کام کر سکیں۔
مجتہد کے اوصاف و آداب اور شرائط سے بحث کا آغاز کرنے سے پہلے مختصراً اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصول فقہ کی جیسے تین مقامات ایسے ہیں جہاں اجتہاد ممکن نہیں گویا وہ محفل اجتہاد ہی نہیں اور وہ یہ ہیں :

- ۱۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق کتاب و سنت میں قطعی اور واضح احکام موجود ہیں جیسے سود کی حرمت، محرمات سے نکاح کی ممانعت وغیرہ۔
 - ۲۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق قطعی احکام قرآنی موجود ہیں مگر ان کی تفسیر و توضیح سنت سے ہو گئی ہے جیسے نماز پنجگانہ اور مناسک حج وغیرہ۔
 - ۳۔ ایسی عقوبات و سزائیں جنہیں حدود اللہ کہا گیا ہے اور ان کے متعلق کتاب اللہ میں واضح و قطعی احکام موجود ہیں۔ جیسے حد زنا اور حد سرقة وغیرہ۔
- چار مقامات ایسے ہیں جہاں اجتہاد ممکن ہے گویا وہ محفل اجتہاد ہیں اور وہ یہ ہیں :

- ۱۔ ایسے احوال و واقعات جن کے متعلق کتاب اللہ اور سنت متواتر میں کوئی واضح اور قطعی حکم سرے سے ہے ہی نہیں۔
- ۲۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق ایسی احادیث ملتی ہیں جو قطعی الثبوت تو ہیں مگر واضح الدلالہ نہیں۔

۳۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق ایسی احادیث ملتی ہیں جو واضح الدلالتہ تو ہیں مگر قطعی الثبوت نہیں۔

۴۔ ایسے واقعات و احوال جن کے متعلق وارد ہونے والی حدیثیں نہ تو قطعی الثبوت ہیں اور نہ واضح الدلالتہ ہیں۔

متقدمین اور متأخرین ماہرین اصول فقہ نے مجتہد کے لئے جن اوصاف و شرائط سے متصف ہونا لازمی ٹھہرایا ہے وہ مقصد اور آراء کے نقطہ نظر سے متفق ہیں۔ اگرچہ اجمال اور تفصیل کا اختلاف ممکن ہے۔ متقدمین اکثر ان اوصاف و شرائط پر اجمالی نظر ڈالتے رہے ہیں۔ جبکہ متأخرین علمائے اصول فقہ نے ان پر تفصیلی انداز میں نظر ڈالی ہے۔ متقدمین میں امام غزالی، الآمدی اور ابن حزم ظاہری کو علم اصول فقہ میں امامت اور قیادت حاصل ہے۔ امام غزالی نے مجتہد کے لئے اجمالی طور پر دو شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مجتہد شریعت کے مآخذ و مدارک کا مکمل احاطہ و استیعاب رکھتا ہو اور اس قابل ہو کہ غور و فکر سے ظنی دلائل کی بنیاد پر مسائل کا حل نکال سکے۔ ساتھ ہی اہمیت کے لحاظ سے جو بات مقدم ہونے کا حق رکھتی ہے اسے مقدم اور جو مؤخر ہونے کا حق رکھتی ہے اسے مؤخر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ وصف عدالت سے متصف ہو۔ اور ان گناہوں سے اجتناب کرتا ہو جو وصف عدالت کے لیے نقص و عیب کا باعث ہوتے ہیں تاہم امام غزالی یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ وصف عدالت سے متصف ہونا قبولِ فتویٰ اور عامۃ المسلمین کے اعتماد کے لیے شرط ہے۔ مجتہد کے اجتہاد کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔

ان دو اجمالی شرائط کے ذکر کے بعد امام غزالی نے پہلی شرط کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مدارک و مآخذ شریعت کی معرفت کے لیے آٹھ علوم کو بنیادی وسیلہ

اردیابہ (جو شریعت کے مآخذ اربعہ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس جسے غزالی نے لفظ عقل سے تعبیر کیا ہے) کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ ان علوم میں سے دو کو مقدمہ یا تمہیدی علوم کی حیثیت حاصل ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ دلائل قائم کرنے کا علم یعنی شرعی مسائل کے حل میں کن دلائل سے کس طرح کام لیا جائے گا۔ وہاں دلائل کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔ عقلی، شرعی اور وضعی۔

۲۔ دوسرا تمہیدی علم ہے معرفت زبان عربی اور اس کے اصول و قواعد، مذکورہ آٹھ علوم میں سے دو کو اعتدائی یا تکمیلی علوم کا درجہ حاصل ہے جن میں سے ایک کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ناسخ و منسوخ کا علم ہے۔ یہ علم مجتہد کے لئے بے حد ضروری ہے کیوں کہ جب تک تقدیم و تاخیر کا علم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ کونسا حکم، نسخ ہے اور کونسا منسوخ، اس وقت تک مجتہد کے لئے کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں۔ دوسرا تکمیلی علم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے متون و اسناد کی صحیح معرفت ہے جس کے ذریعہ مقبول و مردود اور فاسد و صحیح میں تمیز کرنا ممکن ہو سکتا ہے جو چار علوم و سائنس کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ ذات و صفات باری تعالیٰ کا علم معرفت۔

۲۔ کائنات کی حقیقت کا علم یعنی یہ کہ یہ کائنات نوپید ہے اور ایک خالق کی تخلیق کا اعجاز ہے۔

۳۔ معرفت صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۔ طرق کلام و علم۔

مآخذ شریعت کی معرفت کے لئے امام غزالی یہ کافی سمجھتے ہیں کہ مجتہد کو کتاب اللہ

کی وہ پانچ سو آیات معلوم ہوں جو احکام شریعت کے متعلق ہیں۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں بھی احکام سے متعلق احادیث کا ازبر ہونا ضروری نہیں بلکہ اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ فلاں مسئلے کے متعلق فلاں مقام پر حدیث نبوی موجود ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد کے پاس احکام سے متعلق احادیث کا ایک صحیح مرتب مجموعہ موجود ہو۔ مجتہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون کون سے مسائل ہیں جن پر اجماع ہو چکا ہے تاکہ اپنے اجتہاد میں اجماع کی مخالفت کا مرتکب نہ ہو۔

ابن حزم الظاہری نے مجتہد کی اقسام اور درجات سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عند اللہ اجتہاد کرنے والا دو حیثیتوں میں سے ایک حیثیت کا مالک ضرور ہو گا یا تو وہ صحت و صواب کا مالک ہو گا اور مصیب کھلانے کا اور یا غلطی و خطا کا حامل ہو گا۔ اور غلطی کھلانے کا یعنی خطاوار، البتہ مال کے لحاظ سے وہ خطاوار مجتہد کے دو درجے بتاتا ہے ایک ایسا خطا کار جو عند اللہ معذور ہے۔ اجتہاد میں وہ نیک نیت ہوتا ہے خواہ اس کا اجتہاد غلط ہی ہو۔ دوسرا خطا کار مجتہد غیر معذور ہوتا ہے اور یہ وہ مجتہد ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے غلطی کا ارتکاب کرتا ہے یعنی اس کی نیت ہی نیک نہیں ہوتی۔ اجر کے لحاظ سے بھی وہ مجتہد کی دو قسمیں بیان کرتا ہے۔ ایک ایسا مجتہد جو مصیب ہے اور اسے دو گنا اجر ملتا ہے، ایک اجتہاد کرنے کا دوسرا درستی اور صحت کا، دوسری قسم وہ مجتہد ہے جو خطا کار ہے مگر اجتہاد میں نیک نیت ہونے کے سبب صرف اجتہاد کرنے کا اجر پاتا ہے۔ ابن حزم اجتہاد کی اہمیت کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: "من اجتہد و اصاب فله اجران و من اجتہد و اخطأ فله اجر واحد" کہ جن نے اجتہاد کیا اور صحیح نتیجے پر پہنچا تو اسے دو گنا اجر ملے گا اور جس نے اجتہاد کیا

اور غلطی کی تو اسے صرف ایک گونہ اجر ملے گا۔ یہاں سے ابن حزم ہر مسلمان کے لیے اجتہاد لازم ٹھہراتا ہے اور تقلید کرنے والوں کو گنہگار اور قابل مذمت قرار دیتا ہے۔ علامہ آلہ مدی نے بھی مجتہد کے لیے دو اجمالی شرائط بیان کی ہیں، پہلی شرط کا تعلق عقائد سے ہے جس میں وہ مجتہد کے لیے وجود باری تعالیٰ کا علم، اس کی صفات کا لیبہ پر ایمان اور منصب رسالت کی تصدیق کو لازم ٹھہرتے ہیں۔ دوسری شرط کا تعلق مجتہد کے علم سے ہے، یعنی مجتہد کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ شریعت کے احکام، ان کی اقسام، دلائل، اور مراتب و شروط سے آگاہ ہو اسے تحصیل احکام کی کیفیت معلوم ہونی چاہیے۔ تحریر و تقریر کے ذریعے احکام پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دے سکے۔ راویان حدیث کی جرح و تعدیل سے واقف ہو صحیح و غیر صحیح حدیث میں امتیاز کر سکے۔ اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور عربی لغت و نحو کا عالم ہوتا ہم آلہ مدی کے نزدیک یہ شرائط اس مجتہد کے لیے ہیں جسے اصول فقہ میں مجتہد مطلق یا مجتہد کامل کہا جاتا ہے۔ امام غزالی کی طرح آلہ مدی بھی اجتہاد میں تجزی کا قائل ہے یعنی مجتہد کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ ہر مسئلے پر اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو بلکہ وہ شریعت کے خاص شعبے کے مسائل میں اجتہاد پر قادر ہو تب بھی کافی ہے مگر وہ مجتہد مطلق یا کامل نہیں کہلائے گا۔ بلکہ مجتہد مجزئی کہلائے گا۔

مفتدین و متاخرین اور جدید دور کے ماہرین اصول فقہ کے افکار کی روشنی میں مجتہد کے لیے جن اوصاف و آداب اور شروط و لوازمات سے متصف ہونا ضروری ہے ان کی مجموعی تعداد بارہ بنتی ہے۔

ان میں سے پہلی شرط اسلام و ایمان ہے گویا شریعت کے احکام میں اجتہاد کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ مجتہد دین اسلام پر ایمان کامل سے مزین ہو، دوسری شرط

عدالت و تقویٰ ہے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان عیوب و نقائص سے بری ہو جو وصف عدالت اور تقویٰ کے لیے نقصان دہ ہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مجتہد عربی زبان کا عالم ہو، تاکہ قرآن و حدیث کی شرعی نصوص کا صحیح ادراک کر سکے۔ عربی زبان و ادب اور اسلوب بیان پر گہری نظر کے علاوہ اسرارِ بلاغت سے بھی پوری طرح واقف ہوتا ہو اس میں یہ لازم نہیں کہ وہ عربی زبان کی مہارت کے سلسلے میں سیویہ اور خلیل کے درجے کا امام لغت و نحو ہو بلکہ بقدر ضرورت اتنا معلوم ہو کہ کلام عرب میں اسلوبِ مخاطب اور انداز بیان کن کن معانی اور لواظ کا حامل ہو سکتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہو، اس کے لغوی معنی اور شرعی مفہوم سے آگاہ ہو، امام شافعی کے نزدیک تو مجتہد کو تمام قرآن حفظ ہونا چاہیے۔ لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ صرف اتنا کافی ہے کہ احکام شریعت سے متعلق پانچ سو آیات کا علم رکھتا ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مجتہد کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو۔ ان قولی، فعلی اور تقریری احادیث کا علم رکھتا ہو جن میں شریعت کے احکام وارد ہوئے ہیں۔ ان احادیث کے معانی و مقاصد سے پوری طرح آگاہ اسناد و متون کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہو، اس کے پاس احکام سے متعلق احادیث کا صحیح مجموعہ موجود ہونا چاہیے مثلاً صحاح ستہ کے علاوہ معانی الآثار للطحاوی اور منتقی الاخبار لابن تیمیہ کا موجود ہونا کافی ہے۔

مجتہد کے لیے چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اجماع و اختلاف کے مواقع سے آگاہ ہو مجتہد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون کون سے مسائل میں جن میں سلف صالح کا اجماع ہو چکا ہے تاکہ اس اجماع کی مخالفت سے بچ سکے جیسے اصول فرائض، اصول وراثت اور نحریات وغیرہ کے بارے میں سلف صالح کا اجماع موجود ہے۔ اس طرح مجتہد

کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے مسائل ہیں جن میں سلف صالحین کا اختلاف تھا امام شافعی اس اختلاف و اجماع کی معرفت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اس موضوع پر علامہ ابن رشد کی بدایت المجتہد ابن قدامہ کی کتاب المغنی اور امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ بہت کارآمد معلومات کی حامل ہیں۔

سانوین شرط یہ ہے کہ مجتہد قیاس کے اصول سے پوری طرح آگاہ ہو، امام شافعی تو قیاس کو ہی اجتہاد کا نام دیتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: الاجتہاد هو العلم باوجه القیاس وطرائقه، یعنی اجتہاد دراصل قیاس کی وجوہات اور طریقوں کے علم کا نام ہے۔ مشہور فقیہ علامہ الاسنوی قیاس کو قاعدة الاجتہاد اور الموصول الی التفاصيل قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے لازم ہے کہ مجتہد واقعات و معاملات زندگی کے علم کے علاوہ مندرجہ ذیل باتوں کا بھی علم رکھتا ہو۔ اُسے۔

- ۱۔ ان علل و اسباب کا علم ہو جو نصوص شرعیہ کے لیے حکمت اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔
- ۲۔ قیاس کے تمام قوانین و ضوابط کی معرفت حاصل ہو۔
- ۳۔ یہ بھی علم رکھتا ہو کہ کتاب و سنت میں حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں سلف صالح کا طریقہ اجتہاد کیا تھا۔

آنٹھویں شرط یہ ہے کہ مجتہد احکام شرعیہ کے مقاصد و حکمتوں سے واقف ہو مثلاً یہ علم ہو کہ شریعت کی حکمت یہ ہے کہ انسانیت کی مصلحت ملحوظ ہو اور رحمت و سہولت سے کام لیا جائے۔ اسلامی شریعت میں حرج اور تنگی نہیں ہے۔ امام شافعی نے مقاصد شرع کو سمجھنے پر بہت زور دیا ہے وہ کہتے ہیں: فہم مقاصد الشرع هو العلم الذی ینبئ علیہ الاجتہاد کہ مقاصد شریعت کا فہم وہ علم ہے جس پر اجتہاد کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اجتہاد کی دو بنیادیں تسلیم کرتے ہیں ایک فہم مقاصد

شرع اور دوسرے احکام کے استنباط کی قدرت حاصل ہونا
 مجتہد کے لیے نویں شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ناسخ و
 منسوخ کا علم رکھتا ہو، یہ بہت ہی ضروری شرط ہے کیوں کہ منسوخ آیات و احادیث
 اجتہاد کی بنیاد ہی نہیں بن سکتیں۔ دسویں شرط یہ ہے کہ اجتہاد کرنے والا فنِ اصول
 فقہ کا بھی کامل علم رکھتا ہو۔ کیوں کہ احکام کے سمجھنے اور استنباط کرنے کے لیے علم
 اصول فقہ بے حد مفید ہے۔ گیارہویں شرط کو صحت فہم اور حسن اندازہ کا نام دیا گیا ہے
 صحیح بات کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنا کھرے اور کھوٹے کا بخوبی اندازہ کرنا ایسے اوصاف
 ہیں جو مجتہد کو درست نتائج تک پہنچنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ بارہویں شرط کو
 صحت نیت اور سلامت اعتقاد کا نام دیا جاتا ہے۔ نیت کی درستی پر ہر کام کا دارو
 مدار ہوتا ہے، عقیدے کی درستی بھی حکمت و نور کا وسیلہ ہے۔ ٹیڑھی نیت سے
 نتائج بھی ٹیڑھے نکلتے ہیں اور انسان کی سوچ بھی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ عقیدہ فاسد ہو تو
 اخلاص مفقود ہو جاتا ہے اس لیے اجتہاد کرنے والا درست نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔